ہندوستان سے تعلق رکھنے والے چند تبع تابعین

جناب حافظ محمد نعیم صاحب ندوی۔ رفیق دار المصنفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ۔

سرزمین ہندوستان آغاز اسلام ہی سے آفتاب نبوت کی کرنوں سے منورہ اور ہر عصر و عہد میں علماء، صوفیہ اور بزرگان دین ... کی بڑی تعداد سے معمور رہی ہے۔ مسلمانوں کے قدم عہد فاروقی ہی میں ہندوستان میں پڑ چکے تھے۔ اور پھر ائمہ و محدثین انفرادی و اجتماعی طور پر یہاں آتے رہے۔

اس ظلمت کدہ میں جن اکابر اسلام نے علم و عمل کی قندیلیں فروزاں کیں ان میں زمرۂ اتباع تابعین کی کئی اہم شخصیتوں کے نام بھی ملتے ہیں۔ اسرائیل بن موسیٰ تجارت کی غرض سے ہندوستان آئے تھے۔ ربیع بن صبیح ایک اسلامی فوج کے ہمراہ بحیثیت مجاہد یہاں وارد ہوئے اور ایک وبائی مرض میں مبتلا ہو کر اسی کی خاک کا پیوند ہوئے۔ ابو معشر نجیح سندھی الاصل تھے۔ لیکن سندھیوں اور مسلمانوں کی ایک جنگ میں گرفتار ہو کر حجاز پہنچے اور پھر اس طرح وہیں کے ہو رہے کہ ان پر عرب ہونے کا دھوکہ ہونے لگا۔

اگرچہ مذکورہ بالا تینوں اکابر کے ہندوستان میں علمی افادہ اور درس حدیث کا کوئی ظاہری ثبوت فراہم نہیں ہوتا۔ تاہم اس عہد زریں کے عام اصول کے مطابق یہ ناممکن ہے کہ ان متحرک علمی درس گاہوں کے فیوض و برکات سے سرزمین ہند محروم رہی ہو۔ ان تینوں علماء کے حالات و سوانح طبقات و تراجم کی کتابوں میں بہت ہی کم ملتے ہیں۔ اسی بنا پر ان کے اوراق زندگی کے کتنے ہی روشن پہلو گوشۂ خمول میں گم رہتے ہیں۔ بہر حال " علمی خزانے سے جو کچھ مل سکا ہے

پیش خدمت ہے۔

ربیع بن صبیح

نام و نسب | نام ربیع اور والد کا نام صبیح تھا۔کنیت ابوبکر و ابوحفص تھی۔مگر زیادہ شہرت ابو حفص ہی کو حاصل ہے۔قبیلہ بنو سعد بن زید کے آزاد کردہ غلام تھے۔اسی لئے ان کی طرف منسوب ہو کر سعدی کہلاتے ہیں[1]۔مزید سلسلہ نسب کا کچھ پتہ نہیں چلتا۔

وطن اور ابتدائی حالات | ربیع بن صبیح کا اصلی وطن بصرہ تھا۔انھوں نے جس عہد میں اپنے ہوش و خرد کی آنکھیں واکیں وہ اسلامی شان و شوکت اور علوم و فنون کی کثرت و اشاعت کے اعتبار سے تاریخ کا عہد زریں کہلائے جانے کا مستحق ہے۔اس وقت ہر بستی اور ہر قریہ علماء و صلحاء سے معمور اور ان کی نوا سنجیوں سے پرشور تھا۔ہر استاذ اور شیخ اپنی ذات سے ایک دارالعلوم بنا ہوا تھا۔جہاں شمع علم کے پروانے ہر چہار سمت سے آکر اکٹھا ہو جاتے تھے۔

دوسری صدی ہجری کے اوائل میں مرکز اسلام بصرہ کی سب سے بزرگ اور پرکشش شخصیت امام حسن بصری کی تھی جنھوں نے عثمان و علی، ابن عباس و ابن عمر، انس بن مالک، جابر بن معاویہ، ابوموسیٰ اشعری، معقل بن یسار، عمران بن حصین اور ابی بکرہ جیسے اجلہ صحابہ اور اساطین علوم نبوی کے دیدار سے اپنی آنکھوں کو روشن کیا تھا۔امام حسن بصری نہ صرف علم و فضل میں یکتائے روزگار تھے بلکہ شجاعت و شہامت میں بھی یگانۂ زمن تھے اور ربیع بن صبیح ان دونوں کمالات میں اپنے بصری شیخ کا پرتو تھے۔

اساتذہ | ربیع بن صبیح نے امام حسن بصری سے خصوصی تلمذ رکھنے کے ساتھ دوسرے نادرۂ عصر شیوخ سے بھی استفادہ کیا تھا۔ان کے اساتذہ کی طویل فہرست میں کبار تابعین کے نام شامل

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۲۴۷

ہیں۔ کچھ متانا اسمائے گرامی یہ ہیں۔

حسن بصری، ابن سیرین، مجاہد بن جبیر، عطار بن ابی رباح[1] حمید الطویل ابو الزبیر ابو غالب، ثابت البنانی[2]، یزید رقاشی، قیس بن سعد[3]

تلامذہ | خود امام ربیع کے چشمۂ فیض سے جو تشنگان علم سیراب ہوئے ان میں اس عہد کے ہر علم و فن کے اساطین امت شامل ہیں۔ چند نام یہ ہیں۔

عبداللہ بن مبارک، وکیع بن الجراح، ابو داؤد الطیالسی، آدم بن ابی ایاس عاصم بن علی[4]۔ سفیان ثوری، عبدالرحمن بن مہدی، ابو نعیم، ابو الولید الطیالسی[5]

فضائل ومناقب | ربیع بن صبیح زمرۂ اتباع تابعین میں نہایت بلند مقام رکھتے تھے۔ علامہ سید سلیمان ندوی اور دوسرے محققین نے انہیں "محدث تابعی" بتایا ہے اغلباً یہ شبہ ان کی علمی جلالت اور بلندی شان کی وجہ سے پیدا ہوا ہے ورنہ فی الحقیقت کسی صحابی سے انکا لقا ثابت نہیں ہے۔

تقریباً تمام ائمہ اور اہل فن نے ربیع کے علم وفضل اور اوصاف وکمالات کا اعتراف کیا ہے۔ چنانچہ امام ابو زرعہ ان کے بارے میں فرماتے ہیں:—

---

[1] خلاصہ تہذیب الکمال خزرجی ص ۱۱۵
[2] تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۲۴۷
[3] کتاب الجرح والتعدیل ج ۱ ص ۴۶۴
[4] تہذیب التہذیب ۳ ص ۲۴۷
[5] کتاب الجرح والتعدیل ج ۱ ص ۴۶۴

شیخ صالح صدوق[1] — سچے اور نیک بزرگ تھے

امام شعبہ کا قول ہے:

ربیع سید من سادات المسلمین — امام ربیع مسلمانوں کے پیشواؤں میں سے ایک ہیں

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

کان عابداً مجاهداً — وہ عابد اور مجاہد تھے

ابو حاتم کا بیان ہے:

رجل صالح والمبارك احب الی منه — ربیع نیک انسان تھے۔ البتہ ان کے مقابلہ میں مبارک بن فضالہ مجھے زیادہ پسند تھے۔

ابوالولید کہتے ہیں:

ما تکلم احد فیه الا والربیع فوقه[2] — جس شخص نے بھی ربیع کے بارے میں کلام کیا ہے وہ اس سے بلند تر ہیں۔

بشر بن عمر کہتے ہیں کہ میں امام شعبہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو وہ فرما رہے تھے:

ان فی الربیع خصالا لا تکون فی الرجل واحدة منها[3]۔ — بلاشبہ ربیع بہت سی ایسی خوبیوں کے مالک ہیں جن میں کوئی ایک بھی دوسرے میں نہیں پائی جاتی۔

ثقاہت | ائمہ دین کی کثیر تعداد نے امام ربیع کی ثقاہت وعدالت کی شہادت دی ہے۔ امام احمد بن حنبل کے صاحبزادے عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک دفعہ اپنے والد سے ربیع بن صبیح کے متعلق دریافت کیا تو انھوں نے فرمایا:-

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۲۴۸

[2] کتاب الجرح والتعدیل ج ۱ ص ۴۶۴

[3] میزان الاعتدال ج ۱ ص ۳۳۴

لا بأس بہ رجل صالح[۱]	ان کے روایت کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ نیک آدمی ہیں۔

ابن معین کا بیان ہے:

لیس بہ بأس	ان سے روایت کرنے میں کوئی حرج نہیں

امام ابن عدی کا قول ہے

لہ احادیث صالحۃ مستقیمۃ ولم أر لہ حدیثا منکرا وارجو انہ لا بأس بہ ولا بروایاتہ[۲]	ان کی حدیثیں بالکل درست ہیں اور مجھے ان کی کسی منکر حدیث کا علم نہیں۔ میرا خیال ہے کہ ان سے روایت کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

علاوہ ازیں ربیع بن صبیح کی عدالت اور ثقاہت کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ امام جرح وتعدیل عبدالرحمن بن مہدی بھی ان سے روایت کرتے ہیں۔ چنانچہ عمر بن علی کا قول ہے:

کان عبد الرحمن بن مھدی یحدث عن الربیع بن صبیح۔	عبدالرحمن بن مہدی بھی امام ربیع بن صبیح سے روایت حدیث کرتے ہیں۔

علامہ ذہبی نے بھی میزان میں ان سے روایت کی ہے[۳]

جرح | ثقاہت کے بارے میں مذکورہ بالا تمام شہادتوں کے باوجود بعض علماء نے ان کے بارے میں نقد و جرح کے الفاظ بھی استعمال کئے ہیں۔ اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ ان کی آخری زندگی مجاہدانہ سرگرمیوں اور غایت درجہ زہد و تقوی میں گذری اور انھوں نے بغیر تحقیق محض حسن ظن کی بنا پر ہر مرتبہ کے راویوں کو قبول کرنا شروع کر دیا تھا۔ اس کی بنا پر محدثین نے اصولِ روایت و درایت

---

[۱] خلاصہ تہذیب الکمال ص ۱۱۵

[۲] تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۲۴۸

[۳] میزان الاعتدال ج ۱ ص ۳۳۴

اور جرح و تعدیل کی رو سے ان میں کچھ کمی محسوس کی۔ اور انہیں ربیع بن صبیح کے بارے میں تعدیل کے ساتھ جرح کی بھی گنجائش مل گئی۔ چنانچہ یحییٰ ابن المدینی فرماتے ہیں:

هو عندنا صالح وليس بالقوی — وہ ہمارے نزدیک نیک آدمی تھے مگر قوی نہیں تھے

امام شافعی کا بیان ہے:

كان الربيع بن صبيح رجلاً غزاء و اذا مدح الرجل بغير صناعته فقد دهض يعني دق[1] — ربیع بہت بڑے غازی تھے اور جب وہ فن حدیث سے غیر متعلق شخص کی تعریف کرتے تو اسے ختم ہی کر دیتے تھے۔

ابن حبان ان کے زہد و تقوی کو خراج تحسین پیش کرنے کے بعد رقمطراز ہیں:

إن الحديث لم يكن من صناعته وكان يهم فيما يروي كثيرا حتى وقع في حديثه المناكير من حيث لا يشعر لا يعجبني الاحتجاج به اذا انفرد[2] — بلاشبہ حدیث ان کا فن نہ تھا۔ انہیں روایت حدیث میں وہم بہت زیادہ ہوتا تھا حتی کہ غیر شعوری طور پر ان کی روایت منکر ہو جاتی تھی۔ میں ان کے منفرد ہونے کی حالت میں ان کی روایت کو دلیل بنانا پسند نہیں کرتا۔

حاکم کا قول ہے۔ "ليس بالمتين عندهم[3]" وہ محققین کے نزدیک قوی نہیں تھے۔

ان کے علاوہ اور بھی دوسرے ائمہ نے ربیع بن صبیح پر نقد کیا ہے لیکن یہ سب کچھ ان کے فضل و کمال اور ثقاہت و عدالت کو تسلیم کرنے کے بعد ہے۔ اور جیسا کہ مذکور ہوا۔ روایت میں یہ تمام ضعف ربیع بن صبیح کے آخری عمر کے بعض مخصوص حالات کا نتیجہ تھا۔

---

[1] کتاب الجرح والتعدیل ج ۱ ص ۴۶۵

[2] تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۲۴۸

[3] کتاب الجرح والتعدیل ج ۱ ص ۴۶۵

عبادت گذاری اور زہد و ورع | کثرت عبادت، زہد و ورع اور تضرع و الحاح میں بھی ربیع منفرد حیثیت رکھتے تھے۔ ابن حبان نے لکھا ہے کہ

کان من عباد اهل البصرة وزهادهم وکان یشبه بیته باللیل بیت النحل من کثرة التهجد[۱]	ربیع بصرہ میں سب سے زیادہ عبادت گذار اور صاحب ورع تھے۔ کثرت تہجد کی بنا پر ان کا گھر شب میں شہد کی مکھی کا چھتہ بن جاتا تھا۔

عقیلی کہتے ہیں " بصری سید من سادات المسلمین "۔ امام احمد، ابن شیبہ اور ابو حاتم انہیں " رجل صالح " کہتے ہیں۔ ابن حداش کا یہ قول اوپر گذر چکا ہے کہ

هو فی هذا یه رجل صالح	ربیع اپنی سیرت میں نیک آدمی ہیں۔

بصرہ کے پہلے مصنف | اسلامی علوم و فنون کو جن ائمہ نے سینوں سے سفینوں میں منتقل کیا۔ ان میں ربیع بن صبیح کو شرف اولیت حاصل ہے۔ شیخ سبحان علی اور بعض دوسرے جدید محققین نے انہیں اسلام کی پہلی صاحب تصنیف شخصیت قرار دیا ہے۔ چنانچہ تذکرۂ علمائے ہند میں ہے،

گویند وے اوّل مصنفین در امت اسلامیہ است[۲]	کہا جاتا ہے کہ وہ اسلام میں پہلے مصنف ہیں۔

مگر بعض دوسرے بیانات سے اس کی تردید ہوتی ہے۔ خلیفہ چلپی نے لکھا ہے کہ ایک قول کے مطابق اسلام کی سب سے پہلی تصنیف " کتاب ابن جریج " ہے اور ایک دوسرے قول میں مؤطا امام مالکؒ کو اس شرف کا حامل قرار دیا گیا ہے۔

---

[۱] تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۲۴۸

[۲] تذکرہ علمائے ہند ص ۳

حقیقت واقعہ یہ ہے کہ دوسری صدی ہجری کے وسط میں علوم اسلامیہ کی تدوین کا کام شروع ہوا۔ اور ہر مقام کے ائمہ فن اور اساتذہ علم نے حدیث وغیرہ علوم کو کتابی شکل میں مرتب کیا اور اس طرح سرزمین بصرہ میں یہ شرف سب سے پہلے ربیع بن صبیح کو حاصل ہوا۔ علامہ ذہبی رقمطراز ہیں

قال الرامهرمزی اول من صنف وبوب بالبصرة الربیع بن صبیح ثم سعید بن ابی عروبة وعاصم بن علی[1]	رامہرمزی کا قول ہے کہ بصرہ میں جس نے سب سے پہلے تصنیف وتالیف کا کام کیا وہ ربیع بن صبیح ہیں۔ اس کے بعد سعید بن ابی عروبہ اور پھر عاصم بن علی۔

حافظ ابن حجر نے بھی فتح الباری میں یہی لکھا ہے اور خلیفہ چلپی نے بھی تدوین حدیث کا ذکر کرتے ہوئے اسی کی تائید کی ہے۔ نیز حاجی خلیفہ کے بیان سے یہ بات بھی منکشف ہو جاتی ہے کہ اسلام میں سب سے پہلی تصنیف تو کتاب ابن جریج یا موطا امام مالک ہے لیکن بصرہ میں سب سے پہلے مصنف ربیع بن صبیح ہیں۔ چنانچہ کشف الظنون میں ہے۔

وقیل اول من صنف وبوب الربیع بن صبیح بالبصرة ثم انتشر جمع الحدیث وتدوینه وتسطیره فی الأجزاء والکتب[2]	کہا جاتا ہے کہ بصرہ میں سب سے پہلے ربیع بن صبیح نے تصنیف وترتیب کا کام کیا۔ پھر احادیث کی تدوین اور کتابوں کی شکل میں ان کی اشاعت عام ہو گئی۔

شجاعت وبہادری ربیع بن صبیح اپنے لائق فخر استاذ حسن بصری کی طرح علم وفضل کے ساتھ شجاعت، مجاہدہ، اور اسلامی حمیت میں بھی مفقود النظیر تھے۔ بصرہ کے قریب عبادان نامی ایک مقام ان کی عملی سرگرمیوں کا مرکز تھا۔ جہاں اس زمانہ میں اولیاء اللہ کی ایک بڑی جماعت عملی

---

[1] میزان الاعتدال ج ۱ ص ۳۴۴

[2] کشف الظنون ج ۱ ص ۴۲۳

دنیا آباد کئے ہوئے تھی۔ ربیع بن صبیح کی مجاہدانہ حیثیت کے بارے میں امام شافعی کی شہادت گذر چکی کہ

كان ربيع بن صبيح رجلا غزاءً [1] — ربیع بن صبیح بہت بڑے غازی تھے۔

علاوہ ازیں امام شعبہ نے شجاعت میں ان کے مرتبہ کو احنف بن قیس سے بلند تر قرار دیا ہے حضرت احنف بن قیس کی شخصیت وہ ہے جو اپنے زمانہ میں بہادری اور جوانمردی کے لئے ضرب المثل بن چکی تھی۔ انھوں نے اپنی شجاعت کے بہت سے نمایاں ثبوت دیئے تھے۔ ان کی اس جلالت مرتبت کے باوجود امام شعبہ کا قول ہے کہ

لقد بلغ الربيع ما لم يبلغ الاحنف بن قيس يعني في الارتفاع [2] — ربیع کا مرتبہ احنف بن قیس سے بلند تر تھا۔

علامہ بلاذری کا بیان ہے کہ ربیع بصرہ کے عوام سے چندہ وصول کرتے اور پھر رضاکاروں کو لے کر عبادان میں اسلامی سرحدوں کی حفاظت کی خدمت انجام دیا کرتے تھے۔

جمع مالاً من اهل البصرة فحصن به عبادان ورابط فيها [3] — ربیع نے اہل بصرہ سے چندہ کرکے عبادان کی قلعہ بندی کی۔ اور اس کی مرابطت کی خدمت انجام دی

جنگ ہندوستان میں شرکت عہد بنی امیہ میں جب مہدی اورنگ خلافت پر متمکن ہوا تو اس نے عرب تاجروں کی شکایت پر ہندوستان پر فوج کشی کا ارادہ کیا۔ اس جنگ کی تفصیلات طبری اور ابن کثیر وغیرہ مورخین نے اپنی کتابوں میں دی ہیں۔

خلیفہ مہدی نے عبدالملک بن شہاب کی قیادت میں ایک جنگی بیڑا آلات حرب اور اسلحوں

---

[1] کتاب الجرح والتعدیل ج ۱ ص ۴۶۵

[2] میزان الاعتدال ج ۱ ص ۳۴۴

[3] فتوح البلدان ص ۳۶۲

سے لیس کر کے ہندوستان روانہ کیا جو ۱۶۰ھ میں باربد (جو بھاڑ بھڑوت کی تعریب ہے) پہنچا بھار بھڑوت صوبہ گجرات میں ضلع بھڑوچ سے سات میل جنوب میں ایک کچی بندرگاہ تھی۔ اس فوج میں ایک ہزار رضاکار بھی شوق جہاد میں شریک تھے محققین کے بیان کے مطابق والنٹیرس کی اس کثیر جماعت کے افسر اعلیٰ ربیع بن صبیح تھے۔

بہرحال اس فوج نے بھاڑ بھڑوت پہنچنے کے دوسرے ہی دن جنگ شروع کر دی۔ گجراتیوں نے شہر میں گھس کر پھاٹک بند کر لئے۔ اسلامی فوج نے اس سختی سے شہر کا محاصرہ کر لیا کہ وہ لوگ عاجز آ گئے۔ مجاہد اسلام نے بزور شہر میں داخل ہو کر گجراتیوں سے دوبدو جنگ کی اور بالآخر انہیں فتح ونصرت نصیب ہوئی۔ دشمنوں کے تمام آدمی کام آئے۔ اور مجاہدین میں سے کچھ زائد نے جام شہادت نوش کیا۔[۱]

اس جنگ میں ربیع بن صبیح نے اپنے زیر قیادت رضاکاروں میں جہاد کا جوش اور ولولہ پیدا کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا۔ اسی جوش اور جذبۂ شہادت کا نتیجہ تھا کہ مجاہدین کے سیل رواں اور ان کے پرجوش حملوں کے سامنے آنے والی طاقت چور چور ہو گئی۔

<u>وفات</u> بھاڑ بھڑوت کی فتح کے بعد اسلامی فوج نے واپسی کے لئے رخت سفر باندھا لیکن اسی زمانہ میں سمندر میں طغیانی آ گئی۔ اس لئے مجاہدین کی فوری واپسی ممکن نہ ہو سکی۔ اور انھیں سمندر پرسکون ہونے تک مجبوراً وہیں قیام کرنا پڑا۔ سوء اتفاق سے عین اسی وقت "حمام قر" نام کی ایک وبا پھوٹ پڑی۔ یہ مہلک مرض منہ میں ہوتا تھا۔ اور ایسا زہریلا تھا کہ جلد ہی موت کے آغوش میں پہنچا دیتا تھا۔ چنانچہ اس بیماری سے ایک ہزار مجاہدین لقمۂ اجل بن گئے۔

عام محققین کے بیان کے مطابق انہی شہید ہونے والوں میں ربیع بن صبیح بھی تھے[۲]

---

[۱] طبری ج ۶ ص ۲۵۳ و ابن اثیر ج ۶ ص ۳۱

[۲] البدایہ والنہایہ ج ۹ ص ۱۳۲

مورخین نے بالاتفاق اس وبا کے پھیلنے اور اس سے مرنے والوں کا ذکر سنہ ۱۶۰ھ کے واقعات میں کیا ہے۔ علامہ ابن سعد نے لکھا ہے کہ ربیع بن صبیح کی تدفین جزائر بحر الہند میں سے کسی جزیرہ میں ہوئی۔ چنانچہ طبقات میں ہے۔

خرج غازیاً الی الھند فمات فدفن فی جزیرۃ من الجزائر سنہ ۱۶۰ فی اول خلافۃ المھدی اخبرنی بذالک الشیخ من اھل البصرۃ کان معہ [1]

وہ ہندوستان غازی کی حیثیت سے آئے اور وہیں انتقال فرما کر سنہ ۱۶۰ھ میں مدفون ہوئے وہ مہدی کی خلافت کا ابتدائی زمانہ تھا۔ یہ تفصیل مجھے بصرہ کے ایک شخص نے بتلائی جو جنگ میں ان کے ساتھ شریک تھا۔

اس روایت کا پایۂ استناد اس سے ظاہر ہے کہ علامہ ابن سعد نے بصرہ کے ایک ایسے شخص سے سنا ہے جو جنگ بھاڑبھوت میں ربیع کے دوش بدوش شریک تھا۔ اس نے اپنا چشم دید بیان دیا ہے۔ اسی بنا پر علامہ بلاذری نے بھی ابن سعد کے مذکورہ بالا بیان کی تائید کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

وکان خرج غازیا الی الھند فی البحر فمات فدفن فی جزیرۃ من الجزائر فی سنۃ ستین ومائۃ [2]

سمندری راستے سے وہ جہاد کرنے ہندوستان آئے سنہ ۱۶۰ھ میں انتقال کر کے کسی جزیرہ میں دفن ہوئے۔

ان دونوں بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ ربیع کی وفات بھاڑبھوت میں نہیں ہوئی۔ بلکہ وبا پھیلنے کے بعد وہ قریب کے کسی جزیرہ میں چلے گئے اور وہیں وفات و تدفین ہوئی۔ گو ربیع کی جائے وفات اور مدفن کی تعیین میں اختلاف ہے۔ تاہم یہ بات بہرحال مسلم

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۷، ق ۲ ص ۴۶

[2] فتوح البلدان ص ۳۶۲

ہے کہ ان کی وفات ۱۶۰ھ میں ہندوستان میں ہوئی۔ اور یہیں کہیں مدفون بھی ہوئے۔ واللہ اعلم عنداللہ۔

ابن عماد حنبلی رقمطراز ہیں:

وتوفی فی غزوۃ الھند فی الرجعۃ بالبحر الربیع بن صبیح البصری[1]	جنگ میں بحری راستے سے واپسی کے وقت ۱۶۰ھ میں ربیع کا انتقال ہوا۔

اولاد ربیع کی جسمانی یادگار رہیں دو صاحبزادوں اور ایک لڑکی کا ذکر ملتا ہے لڑکوں کے نام عبدہ بن ربیع بن صبیح اور سلمان بن ربیع ہندی ہیں۔ جو علم و فضل میں خود بھی بلند مرتبہ تھے[2] صاحبزادی کا نام معلوم نہیں لیکن ابوحاتم نے محدث اسحاق بن عباد کو ربیع کا نواسہ بتلایا ہے۔ اور انہیں "ابن ابنۃ ربیع" لکھا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ربیع کی ایک لڑکی بھی تھی۔

اسرائیل بن موسیٰ بصری

امام ربیع کی طرح اسرائیل بن موسیٰ نے بھی سرزمین ہند کو اپنے ورود سے مشرف کیا تھا تاجر کی حیثیت سے ہندوستان میں ان کی آمد و رفت بکثرت رہتی تھی۔ اسی بنا پر "نزیل الھند" ان کا لقب ہی پڑ گیا تھا۔ رئیس التابعین امام حسن بصری سے خصوصی تلمذ حاصل تھا۔ افسوس ہے کہ تذکرہ نگاروں نے ان کے ساتھ بہت ہی کم اعتنا کیا ہے۔ اسی باعث طبقات و تراجم کی کتابوں میں ان کے حالات نہ ہونے کے برابر ملتے ہیں۔ اور جو ہیں بھی وہ انتہائی تشنہ و ناقص۔ بہرحال ہندوستان سے تعلق رکھنے والے اس بزرگ محدث کے بارے میں جو معلومات بہم پہنچ سکیں وہ ذیل میں پیش کی جاتی ہیں۔

---

[1] شذرات الذہب ج ۱ ص

[2] کتاب الانساب للسمعانی ورق ۳۷۹

نام ونسب | نام اسرائیل، اور ابوموسی کنیت تھی۔ والد کا نام موسیٰ تھا۔ اس کے بعد کا سلسلہ نسب نامعلوم ہے۔ ان کی کنیت باپ کے نام پر ہے۔ حافظ ابن حجر رقمطراز ہیں۔

ابوموسی هی کنیة اسرائیل و اسم ابیه موسی فهو ممن وافقت کنیة اسم ابیه [1]	ابوموسی اسرائیل کی کنیت ہے اور ان کے باپ کا نام موسیٰ ہے۔ وہ ان لوگوں میں ہیں جن کی کنیت ان کے باپ کے نام پر ہے۔

متقدمین علماء میں ایسی متعدد شخصیتیں گذری ہیں جن کی کنیت ان کے باپ کے نام پر ہے علامہ سیوطی نے تدریب الراوی میں ان کی تفصیل دی ہے۔

وطن | عام تذکرہ نگاروں کے خیال کے مطابق اسرائیل بن موسیٰ کا وطن بصرہ ہے۔ اور اسی کی نسبت سے وہ بصری مشہور بھی ہوئے۔ لیکن دولابی نے یحییٰ بن معین کا ایک قول یہ بھی نقل کیا ہے کہ اسرائیل کا آبائی مکان کوفہ تھا۔ بعد میں بصرہ جا کر سکونت اختیار کر لی۔ چنانچہ انکے الفاظ یہ ہیں:

ابوموسی اسرائیل الذی روی عنه ابن عیینة کوفی نزل البصرة [2]	ابوموسی اسرائیل جن سے سفیان بن عیینہ نے روایت کی ہے کوفہ کے رہنے والے تھے اور بصرہ میں جا کر آباد ہو گئے تھے۔

شیوخ | ابوموسی اسرائیل زمرۂ اتباع تابعین کا وہ گل سرسبد تھے جنھوں نے کبار تابعین کی صحبت اٹھائی تھی۔ ان کا عہد علمی و عملی حیثیت سے تاریخ اسلام کا ایک مثالی دور تھا۔ تمام اسلامی ممالک علماء و صلحاء سے معمور تھے۔ بالخصوص سرزمین بصرہ اس وقت کا ایک اہم علمی و دینی مرکز خیال کی جاتی تھی۔ امام حسن بصری اسی خطہ علم پر اپنے فیض کا چشمہ جاری

---

[1] فتح الباری ج ۵ ص ۵۲

[2] کتاب الکنی دولابی ج ۲ ص ۱۳۴

گئے ہوئے تھے جہاں سے دور دراز ممالک کے تشنگانِ علم آ آکر سیراب ہوتے تھے۔ ابوموسیٰ اسرائیل نے بھی اسی شیخِ وقت کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ اور ان کے دامن فیض سے کچھ اس طرح وابستہ ہوئے کہ زبان خلق نے "صاحب الحسن" کا تمغہ شہرت عطا کیا۔

حسن بصری کے علاوہ انہیں اور بھی بہت سے مشاہیر ائمہ اور کبار تابعین سے اکتسابِ علم کا موقعہ نصیب ہوا۔ جن میں امام وھب بن منبہ، ابو حازم اشجعی، محمد ابن سیرین کے اسمائے گرامی فائق و ممتاز ہیں[1] ان میں سے ہر ہر فرد بجائے خود ایک دارالعلوم تھا۔ ان گنجہائے گرانمایہ سے ابوموسیٰ نے علم وفضل کا کس قدر وافر حصہ حاصل کیا ہوگا۔

تلامذہ | ابوموسیٰ مذکورہ بالا ماہرینِ فن اساتذہ کے خرمن کمال سے خوشہ چینی کرنے کے بعد خود بھی آسمان علم پر کوکب تاباں بن کر چمکے جس کی کرنوں نے دنیا کے مختلف خطوں کو منور کیا چنانچہ ہندوستان بھی اس دولت بے بہا سے محروم نہیں رہا۔

بصرہ جو کہ ان کا وطن اور اقامت گاہ تھا۔ وہاں بھی ان کے درس کی مجلسیں "قال اللہ وقال الرسول" کے دلنواز نغموں سے گونجتی رہتی تھیں۔ اس کے علاوہ کوفہ اور مکہ میں بھی انھوں نے درس حدیث کے حلقے قائم کئے۔

کوفہ میں ان کے درس و افادہ کا پتہ اس سے چلتا ہے کہ ان کے تلمیذ رشید سفیان بن عیینہ نے فضائل امام حسن کی حدیث اپنے استاذ سے اسی جگہ سنی تھی۔ اس روایت میں جن سفیان کا نام آیا ہے حافظ ابن حجر نے اسے بتصریح سفیان بن عیینہ ہی قرار دیا ہے[2]

---

[1] میزان الاعتدال ج ۱ ص ۹۷، خلاصہ تہذیب الکمال ج ۱ ص ۳۱ و نزہت الخواطر ج ۱ ص ۲۳ و تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۲۶۱

[2] فتح الباری ج ۱۳ ص ۵۲

اسی طرح مکہ میں درس حدیث کے متعلق ابوموسی کے ایک دوسرے شاگرد حسین بن علی الجعفی کی یہ شہادت ملتی ہے کہ انھوں نے مکہ میں ابوموسی اسرائیل سے شرف ملاقات حاصل کرکے حدیث کا سماع کیا۔

علاوہ ازیں اور بھی بہت سے مقامات ایسے ہوں گے جہاں اس متحرک دارالعلوم کے نقوش و اثرات ثبت ہوں گے لیکن ان کا ذکر نہیں ملتا۔ بہرحال یہ حقیقت مسلم ہے کہ ابوموسی اسرائیل کے حلقہ درس سے جو بے شمار طالبان علم سند فراغ لے کر نکلے وہ آسمان علم و دانش پر مہر و ماہ بن کر چمکے جس کا اندازہ کرنے کے لئے درج ذیل چند اسمائے گرامی ہی کافی ہیں۔

سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ، یحیی بن سعید القطان، حسین بن علی الجعفی [۱]

ثقاہت وعدالت ان کے مرتبہ ثقاہت و عدالت پر تمام ماہرین فن بیک زبان متفق ہیں۔ اور اس پر کسی کو بھی کلام کی جرأت نہ ہوسکی۔ چنانچہ ابوحاتم اور یحیی بن معین نے بصراحت انہیں ثقہ قرار دیا ہے[۲]۔ ابن معین ہی کا قول ہے

اسرائیل صاحب الحسن ثقۃ [۳] امام حسن بصری کے شاگرد ثقہ ہیں۔

امام نسائی کا بیان ہے:

لیس بہ بأس [۴] ان سے روایت کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

نیز ابن حبان نے کتاب الثقات میں ان کا ذکر کیا ہے[۵]۔ مزید برآں ابوموسی اسرائیل کی ثقاہت کا ایک نمایاں ثبوت یہ بھی ہے کہ کتب حدیث کے جامعین اور ائمہ نے اپنی

---

۱ تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۲۶۱

۲ میزان الاعتدال ج ۱ ص ۹۷ وخلاصہ تہذیب الکمال ج ۱ ص ۳۷

۳ الانساب للسمعانی ورق ۵۹۳ ۴ و ۵ تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۲۶۱۔

کتابوں میں ان سے روایت کی ہے۔ امام بخاری جیسے محتاط اور متشدد محدث نے بھی ان کے فضائل امام حسن والی روایت کو چار مختلف مقامات پر نقل کیا ہے[1] علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں پسند ان سے روایت کی ہے[2]۔ اس کے علاوہ نسائی، ترمذی اور ابوداؤد نے بھی ان کی مرویات کو اپنی کتابوں میں درج کیا ہے۔ باقی

۱؎ خلاصہ تہذیب الکمال ج ۱ ص ۳۱ ۲؎ میزان الاعتدال ج ۱ ص ۹۷

زجاجۃ المصابیح

مؤلفہ حضرت مولانا ابوالحسنات سید عبداللہ شاہ حنفی حیدرآبادی

کتاب زجاجۃ المصابیح مولانا نے پانچ ضخیم جلدوں میں مشکوٰۃ المصابیح کے اسلوب پر حنفی نقطۂ نظر کی پوری رعایت کے ساتھ احادیث نبوی کا یہ مستند ذخیرہ شائع کیا ہے۔ فقہ حنفی پر اعتراضات کے مدلل جواب اور احادیث کی صحیح تعبیر کے بعد حنفی مسائل کی وضاحت کے سلسلہ میں حواشی بھی نوٹ فرماتے ہیں احناف کے لئے احادیث کا یہ مجموعہ بے نظیر اور نادر تحفہ ہے کتاب عرصہ سے نایاب تھی۔ چند نسخے دستیاب ہو گئے ہیں۔ جلد طلب فرمائیے۔ قیمت کامل بلاجلد ساٹھ روپے

ندوۃ المصنفین دہلی :- ۱۹۷۰ء کی جدید مطبوعات حسب ذیل ہیں

۱۔ تفسیر مظہری اردو (نویں جلد)	قیمت مجلد ۔۔۔ ۱۷
۲۔ حیات (مولانا) سید عبدالحی	قیمت مجلد ۔۔۔ ۱۱
۳۔ احکام شرعیہ میں حالات و زمانہ کی رعایت	قیمت مجلد ۔۔۔ ۹
۴۔ مآثر و معارف (از مولانا قاضی محمد اطہر مبارکپوری)	قیمت مجلد ۔۔۔ ۱۰